ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

عظمیٰ نورین
لیکچرار شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ۔
ڈاکٹر نازیہ یونس
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نمل اسلام آباد۔

تصوف اور اردو شاعری: چند مباحث

Uzma Noreen
Lecturer G.C Women University Sialkot
Dr. Nazia Younis
Assistant Professor Urdu Department, National University of Modern Languages Islamabad.

Sufism and Urdu Poetry: Some Debates

The heyday of Sufi poetry in Iran was from Hakim Sanai (fifth century AH) to Abdur Rahman Jami (ninth century AH). Due to their contributions, the themes of Sufism gained special importance in Persian poetry. Persian poets of India also made the theme of Sufism a part of their poetry. Although Persian was the language of Iran (Persia), it was only after the conquest of Delhi that kings, scholars, Sufis, and poets adopted this language and promoted it greatly. As much as Persian poets of Indian origin had respected the foreign language Persian, they also had the right to expect that Persian scholars and poets of Iranian origin would welcome their scholarly and poetic tolerance. However, Iranian scholars and poets had been slandering and criticizing Indian scholars and poets from the very beginning, i.e., from the era of the sultans, and even Amir Khisrau could not escape their attacks. There are many examples of this in history, for example, Ubaid Zakani's insulting remarks against Amir Khusrau, Iraqi's insulting remarks about Faizi, Sheikh Ali Hazin's harsh words, etc. I would also like to mention here that some famous Iranian poets, such as Hafiz Shirazi and Jamaluddin Urfi, have

praised Amir Khusrau's eloquence, and Hafiz Shirazi has even remembered him with the title of "Tutty Hind". However, the general attitude of Iranian scholars and poets towards Indian-origin Persian scholars and poets was the same as I have mentioned above. This suggests that Iranian poets did not consider Indian-origin Persian poets to be trustworthy. In my opinion, there were two main reasons for this. First, the national and ethnic hatred of the Iranians, which is clearly visible throughout Islamic history. Second, the competitive spirit that is generally found among scholars and poets. To prevent this long series of rivalries and to untie the psychological knot, the elder of Delhi, Saadullah Gulshan, was the first to take the initiative and advised the Deccan saint to abandon Persian and recite poems in Rekhta (Urdu). After that, Sirajuddin Ali Khan-e-Arzoo acted on this and gave impetus to the writing of poetry in Rekhta. When Sheikh Ali Hazin came to India from Iran in 1734-35, after his arrival, he wrote an autobiography, "Tazkirat-ul-Ahwaal", in which he openly expressed his hostility and hatred. In it, he not only criticized the Indian Persian poets but also wrote insulting satires. In "Mahakamat-ul-Shu'ara", Mohsin has written that "Despite the fact that no Indian showed Hazin's heart, in "Tazkirat-ul-Ahwaal" he spewed venom against everyone from the king to the beggar without a wife and spread this idea. That India commands the land of excellence. He also declared that he had not seen a single person in the entire capital who possessed the status of excellence.

Keywords: *Sufi poetry, Hakim Sanai, Abdur Rahman Jami, Amir Khisrau, Hafiz Shirazi, Jamaluddin Urfi, Saadullah Gulshan, Sirajuddin Ali Khan-e-Arzoo, Sheikh Ali Hazin, "Mahakamat-ul-Shu'ara", "Tazkirat-ul-Ahwaal".*

تصوف سے مراد وہ بنیادی علم یا تصور ہے جو خدا سے شروع ہو کر خدا پر ختم ہوتا ہے۔ اردو میں تصوف کا تصور بھی فارسی سے آیا۔ فارسی میں سب سے پہلے شیخ ابو سعید ابوالخیر کے ہاں رباعیات اور صوفیانہ مضامین ملتے ہیں۔ اس کے بعد حکیم سنائی، فرید الدین عطار اور مولانا روم نے مسائل تصوف کو موضوع بنایا۔ اس طرح جب اردو شاعری کی شمع سب سے پہلے دکن میں روشن ہوئی تو متعدد دکنی شعرا جیسے قطب شاہ نے اس میدان سے خصوصی

شغف رکھا۔اسی طرح بحیری، خواجہ حسن حکیم، میر فضل علی رانا، شیخ فرحت اللہ فرحت اور میر ولایت خان کے نام تصوف کے حوالے سے اہمیت کے حامل ہیں۔

صوفیا کے نزدیک دنیا کا حسن ایک پرچھائیں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ انسان کا اعلیٰ منصب یہی ہے کہ وہ وہ صوفیا سے نور حاصل کرنے کے لیے مذہبی رسوم کی پابندی کرے۔ اسی سے تزکیہ نفس حاصل ہو سکتا ہے۔ بعد میں عرفانِ ذات کی منزل بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ہے کہ رموز عرفان صرف باطنی کشف و وجدان کے ذریعے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے ذریعے سے پیر و مرشد کی رہنمائی عشقِ مجازی سے دل میں گداز پیدا ہونا اور معرفت کی منزلیں طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تب ہی تصوف کے درجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اس لیے اگر غور کریں تو اردو شاعری کی اولین شمع تصوف کی روشنی میں نظر آتی ہے۔ جب مغلیہ سلطنت انحطاط پذیر تھی تو دلی کا دیوان دلی آیا۔ پھر ان کی سعد اللہ گلشن سے ملاقات اور بعد میں اپنے کلام کو ریختہ میں منتقل کرنے کا واقعہ بھی اسی کڑی کا ایک سلسلہ تھا۔ اسی کے ساتھ دلی میں قوالیوں، عرسوں اور صوفیا کی مجالس بھی خاص و عام میں مشہور تھیں۔ مرزا مظہر جانِ جاناں اور خواجہ میر درد کی صحبتیں بھی مراجع عوام تھیں۔ اسی حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"روزِ روشن کی مانند یہ حقیقت عیاں ہے کہ اردو شاعری نے فارسی کے دامن میں پرورش پائی۔ فارسی کے صوفی شعرا کی شاعری سوز و گداز، علو تخیل، رفعت فکر اور صوفیانہ مضامین سے پُر ہے۔ خیالات میں پاکیزگی و لطافت پیدا کرنے کے لیے ہر شاعر نے تصوف ہی کا سہارا لیا ہے۔ اردو شعرا کو تصوف کا ذوق بلند ورثے میں حاصل ہوا ہے۔ بنا بریں اردو اشعار میں تصوف کے حقائق و معارف اور اس کی اصطلاحات علمی پس منظر، فقہی احوال حقائق معارف اور ان کی اصلاحات علمی پس منظر کا عکس لطیف کم و بیش صاف طور پر نظر آتا ہے۔"(۱)

ڈاکٹر اعجاز الحسن ایک اور جگہ اسی طرح کا مضمون لکھتے ہیں:

> "مذہبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہماری شاعری میں ہر عقیدہ سے زیادہ صوفیانہ مواد شاعری کا ہے۔"(۲)

اس حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اردو غزل عشق مجازی یا عشقِ حقیقی ہی کے مظاہر اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عشق و محبت انسان کا خمیر ہے۔ اس لیے جہاں انسان ہے وہاں عشق بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزل میں تصوف نے موضوعات تنوع اور رنگا رنگی پیدا کی ہے۔ اس کو گہرائی اور سنجیدگی دی ہے۔ اس طرح تصوف کے مختلف مسائل کی ترجمانی میں نئی زندگی پیدا کی ہے۔ اس طرح غزل کا دامن وسیع ہو گیا۔ اس کے لیے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

حبِ الٰہی، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ، اظہار و تجزیہ، تعلیم و تصوف جیسی اصولی چیزیں ضروری بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اصولی چیزیں شروع سے اردو غزل کا حصہ رہی ہیں۔ اس طرح تصوف شہودی اور وجودی کے موضوعات کو زیادہ برتا گیا ہے۔ حسن و عشق کے اشعار یہ ہیں:

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا (ولی)

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے (غالب)

کوئی حد نہیں ہے شاید محبت کے فسانے کی
سناتا جا رہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے (جگر)

کچھ ہو رہیگا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تر آسمان پر (میر)

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور کیا
مرثیہ عشق کا یاں حسن سے بھی دور گیا (قائم)

حسن سے رتبہ ہے اپنے عشق کامل کا بلند
آستانے پر پڑی ہے نام پر دیوانہ ہے (آتش)

غرور حسن کی تاثیر سے ڈر ہے مجھے حسرت
کہیں ایسا نہ ہو یہ عشق کو بھی خود نما کر دے

حسن اور عشق تیرے فیض قدم کے صدقے
دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ (۳)

البتہ یہ ہے کہ اقبال کے ہاں عشق کے اور ہی معنی نکلتے ہیں جس میں الگ الگ انفرادیت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہوا اگر خود نگر و خود گرو خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے
تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجمان ہو جا
تو اے اسیر مکاں و لامکاں سے دور نہیں
وہ جلوہ تیری خاکہ ان سے دور نہیں (۴)

عشقِ الٰہی میں فنا ہونے کا نام ہی عشق ہے اور جو اس میں فنا ہو گیا وہی مرتبہ پا گیا اور حقیقت تک پہنچ گیا۔ اس حوالے سے فانی بدیوانی کا یہ شعر:

بقا کہتے ہیں جس کو وہ مرا حسان ہے فانیؔ
وہ حادث ہوں کہ دنیائے قدیم بھرتی ہے دم میرا (۵)

اس حوالے سے بعد میں معرفت آگہی و عرفان کے بعد نورِ الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ چیزیں نظر نہیں آتیں مگر دل کی آنکھ کھلی رہتی ہے اور دیکھنے والا کائنات کے لافانی حسن کی وسعتوں میں کھو کر معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جو بہار معشوق حقیقی کے حسن کی تجلی دیکھ لیتا ہے تو اس کے دل کا ہر ذرہ تجلیات سے منور ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں روشنی سی ہو جاتی ہے۔ ولی کہتے ہیں:

ذرہ اس کی چشم میں لبریز نور ہے
دیکھا ہے جس نے حسن تجلی بہار کا (۶)

اس کی وجہ سے غیر اللہ کے خیال سے نجات مل جاتی ہے اور اُس کا شائبہ تک بھی اُس پر نہیں پڑتا۔ یہ ایسی منزل ہوتی ہے جہاں انسان کھو کر ہی سب کچھ پالیتا ہے۔ اس پر اللہ کی ذات و صفات کا ادراک ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے میر تقی میرؔ کہتے ہیں:

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے نئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں دور تھا

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہمیں میں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنا قصور تھا (۷)

اللہ کی معرفت کو پہنچ کر بندہ دنیا کی طرف سے لاپرواہ بن جاتا ہے کیوں کہ وہ اللہ کی محبت میں مست ہو جاتا ہے۔ وہ اس بات کا قائل ہو جاتا ہے کہ انسان کو اپنے جیسے انسانوں کے تصورات اور واہموں میں جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ یعنی اللہ کی ذات ایسی ہے جس کو کوئی نگاہیں پا نہیں سکتیں مگر وہ سب کی نگاہوں کو پالیتا ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں:

سب کو مقبول ہے دعوای تیری یکتائی کا
روبرو کوئی آئینہ سیما نہ ہو
نہ تھا کوئی تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو کیا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوٹا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے (۸)

میر انیس کے الفاظ یہ ہیں:

تیلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
اقرب ہے رگ جان سے اور اس پر یہ بعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو
اسی کا نور ہو اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا (۹)

یعنی اللہ کے نزدیک ہو جانے کی وجہ سے یعنی عرفان خداوندی کے کئی پہلو ہیں۔ لیکن صوفی کا تصور وحدت عام تصورات سے مختلف و منفرد ہے۔ شاعرانہ تاویلانہ اور نازک خیالیاں اگرچہ دشواریاں پیدا کرتی ہیں مگر اگر خدا کو صرف ایک کہا جائے تو یہ تصور محدود ہے۔ یہ مظاہر فطرت، یہ تغیرات، یہ مظاہر، یہ دنیا، یہ سات آسمان، یہ پہاڑ و چرند پرند، انسان اور حیوان کس کے جزو ہیں؟ اس حوالے سے وحدت الشہود کا نظریہ یہ ہے کہ وجودِ کائنات حقیقت واحد کا نام ہے یعنی تمام کائنات میں خدا ہی کو مشاہدہ کرنا لازم ہے جب کہ وحدت الوجود کا نظریہ اس کے

برعکس ہے۔ وہ یہ کہ خدا ہی میں کائنات کو دیکھنا چاہیئے۔ یعنی خدا ہی انسانی اعضاو جوارح میں بحیثیت اصل ہے۔ انسان اور خدا میں علاقہ عینیت ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار دیئے جاتے ہیں:

ہاں کھائیو مت فرب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے (غالب)

تیرا جلوہ جو ہستی ہے تو پھر قید نظر کیسی
میری ہستی جو پردہ ہے تو یہ بھی درمیاں کیوں ہو (بیدم شاہ وارثی)

میں ہوں خود دریا ولے کو نہ نظر کے سامنے (سودا)
ظرف و موج و قطرہ میرے رخ کا ایک پردہ ہوا [(۱۰)]

فلسفہ عقل کا شعر کے قالب میں ڈھال دینا اپنی ایک نئی جلوہ گری دکھاتا ہے۔ ارباب جنون یعنی اہلِ عشق و مستی کی زندگی فقر و فاقہ، صبر و قناعت، ذکر و فکر، یادِ الٰہی اور مجاہدہ و ریاضت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہ نفس کشی کرتے ہوئے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مثلاً درد کہتے ہیں:

کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں (درد)

مجھ سے جو چاہیئے وہ درس عبرت لیجیے
میں خود آواز ہوں مری کوئی آواز نہیں (اصغر)

فنا نہیں ہے محبت کی رنگ و بو کے لیے
بہار عالم فانی رہے نہ رہے (فانی)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا میں (اقبال)[(۱۱)]

عشق الٰہی میں عقل و خرد کے سروکار یہیں ہیں کہ عقل محدود ہے جب کہ خدا لا محدود ہے۔ علم میں صرف عرفان جہل ہی حاصل ہوتا ہے۔ عقل صرف نفی ماسوا میں کام آسکتی ہے۔ اس حوالے سے مختلف شعرا یوں کہتے ہیں:

عقل و خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

یہ عشق ہی ہے کہ منزل ہے جس کی الا اللہ
خرد نے صرف رہ لا الہ پائی ہے

علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم (اکبر الہ آبادی)
میرے دل نے یہ دیا درس بصیرت مجھ کو

جو جہنم میں بھی فردوس براماں ہوں گے (جگر)
دیکھ لینا وہ ہمیں سوختہ ساماں ہوں گے

خواہش جنت کی کوئی باوقار نہیں
آدمؑ پہلے جنت ہی میں تھے (فانی)[۱۲]

انسان ایک ذرہ ناچیز ہے۔ ناتواں ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں قضائے الٰہی ایک موج ہے جس کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔ زندگی ایک شمع ہے جس کو بہر حال نمود سحر تک جلنا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو موت کا ذائقہ چکھے:

اے شمع تیر عمر طبعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے (ذوق)

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی (غالب)

سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے (حالی)[۱۳]

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

توکل و غنا تصوف کے اجزا میں سے اہم ہیں۔ انسان توکل علی اللہ کی منزل تک پہنچ جائے تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔ وہ اللہ ہی کے بنائے ہوئے راستے تک رسائی رکھتا ہے۔ غیر اللہ سے رجوع نہیں کرتا۔ یعنی اپنی مرضی کو خدا کے سپرد کر دگے تو ہی کامیابی ملے گی نا۔ مختلف شاعروں کے ہاں یہ:

تجاہل، تغافل، تساہل کیا
ہوا کام مشکل توکل کیا
تیرا تھا چمن میں جوں بلبل
نالہ سرمایہ تو کل کیا (میر)

احسان ناخدا کے اٹھائے میری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں (ذوق)

در بدر امید فرسائی کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے (مومن)

لیس للانسان الاّ ما سعی(انسان کے لیے صرف اس کی کوشش ہے)کو یاد رکھ (جوہر)
کہ توکل پھر تیری تدبیر ہی تقدیر ہے (۱۴)

خسرو اختیار کے حوالے سے بھی کئی شعرا کے ہاں مختلف کیفیات سے آگاہی ملتی ہے۔ مگر انسان مجبور اور لاچار ہے اور اللہ کی مرضی کے آگے کچھ بھی نہیں کر سکتا:

میر کہتے ہیں۔

ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے خود مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کریں، ہم کو عبث بدنام کیا

ذوق کہتے ہیں۔

لاحیات، آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی آئے نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

فانی کہتے ہیں۔

تکمیل ہے عجز بندگی کا احساس
انسان کی معراج ہے انسان ہونا

جگر کہتے ہیں۔

کیا قیامت ہے کہ اس دور ترقی میں جگر
آدمی سے آدمی کا حق ادا نہیں ہوتا (۱۵)

دنیا کی بے ثباتی کے حوالے سے مختلف شعرا کا نقطہ نظر یہ ہے:

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہو
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا (درد)

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو پڑ گیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کہ چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا (میرؔ)

جس شخص نے کہ اپنے نخوت کے بل کو توڑا
رہ خدا نے اس نے گویا ہبل کو توڑا (انشاء)

انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا
جس سینہ میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں اچھا (ناسخ)

اتنا نہ غرور کہ مرنا ہے تجھے
آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پر سوچ کر ذرا پاؤں انیسؔ (میر
اک روز صراط سے گزرتا ہے تجھے انیسؔ)(۱۶)

فریاد، گریہ، ریااور نفس کی عذر تراشی، مذہب کی پاس داری، تصوف، انکسار:

خشک آنکھیں روتے روتے خوف سے عصیاں ہوئیں
پھر بھی رونا ہے جلالؔ اس کا کہ دامن تر ہوا (جلال)

رونے سے عشق میں بے باک ہو گئے
دھوتے گئے کچھ ایسے کہ بس پاک ہو گئے (غالب)

مذہب ایک رشتہ ہے مابیں عباد و معبود
نہیں اغراض پر ستی کے لیے اس کا وجود (حالی)

غمگین کوئی پوچھے گر تصوف کیا ہے
کہہ بے خودی اپنی میں شہود اسی کا ہے (غمگین)

مرتبہ پیش خدا ہوتا ہے اتنا ہی بلند
جس قدر ملتا ہے انسان سے انسان جھک کر (امیر)

غرض اردو شاعری میں تصوف کے مختلف ادوار کے حوالے سے یہ بتادیناضروری ہے کہ شاعری میں ان شاعروں کے ہاں تصوف کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔: شاہ صدر الدین، شاہ میران جی شمس العشاق، شیخ بہاؤ الدین باجن، برہان الدین خانم، شیخ چشتی، غواصی، میرا جی خدا نماؔ، شاہ امین الدین، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، مرزا مظہر جانِ جاناں، سید علی غمگین، آتش، غالب، میر، مومن، امیر مینائی، حالی، اکبر الہٰ آبادی، حسرت موہانی، فانی، سیماب اور اقبال۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عبدالقادر فاروقی، تصوف اور شاعری، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، انڈیا، ۲۰۰۹ء، ص۱۹۵
۲۔ ایضاً، ص۸۶
۳۔ ایضاً، ص۲۲
۴۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۳۱۰
۵۔ فانی بدایوانی، مرتبہ رشید احمد صدیقی، مقدمہ باکیات فانی، مکتبہ علمیہ، دہلی، ۱۹۷۵ء، ص۱۶۷
۶۔ ولی دکنی، بحوالہ تصوف اور شاعری، ایضاً، ص۲۷۳

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

۷۔ ایضاً، ص۲۷۵

۸۔ ایضاً، ص۲۷۹

۹۔ ایضاً، ص۲۸۱

۱۰۔ ایضاً، ص۲۹۲

۱۱۔ ایضاً، ص۲۹۵۔۲۹۸۔۱۹۹

۱۲۔ ایضاً، ص۲۰۴تا۲۰۶

۱۳۔ ایضاً، ص۳۰۶۔۳۰۸

۱۴۔ ایضاً، ص۳۱۰۔۳۱۲۔۳۱۳

۱۵۔ ایضاً، ص۳۱۷تا۳۱۹

۱۶۔ ایضاً، ص۳۲۰۔۳۲۲